نیلم تاج
پی ایچ ڈی سکالر ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر محمد الطاف یوسف زئی
صدرِ شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

Neelam Taj
Scholar, Hazara University, Mansehra

Dr. Muhammad Altaf Yousufzai
Chairperson, Department of Urdu, Hazara University, Mansehra

ڈاکٹر سید امجد حسین کے خطوط میں سفر نامے کے عناصر

Characteristics of travels in the letters of Dr. Syed Amjad Hussain

Abstract: The travelogue is one of the narrative genres of urdu language.since the travelogue is written on the eyewitness events,thus journey is the basic for it. By nature humans have tendency towards nature. They get tired from the uniformity of the environment in which they live. Travel not only provides them temporary entertainment equipments but also ends the uniformity in the lives. They feel fresh and get busy in worldly affairs again. Travel is movement and life is another name of movement. During travel, travelers experience and observe several things. Sometimes, they desire to express their feeling experiences to others. Travelogues introduce other cultures. There are revelations from history and geography. Travelogues is a good source of getting information. Dr Amjad Husain has talked about the basics of travel in his writings. Historical and geographical events are of great importance in travelogues. Therefore, Dr. Amjd Husain has not only introduces the readers with geographical and historical events but also provided bunch of information. Dr. Amjad Hussain's letters are collection observation during travelling. What the eyes saw, heart felt and mind thought has been well narrated. Dr. Syed Amjad Hussain letters is a collection of historical events of different cities.

Key words: Travelogues, uniformity, cultures, geographical, historical

ڈاکٹر امجد حسین نے دیار غیر سے اپنے حلقہ احباب کو بہت دلچسپ خطوط لکھے ہیں۔ان میں تقریباً اسی (۸۰) کے قریب خطوط ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کے نام ہیں۔ یہ خطوط صرف ایک آدھ صفحے پر مشتمل نہیں بلکہ ایک ایک خط دس سے بیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ان خطوط میں ایک جہاں معنی پوشیدہ ہے۔ان خطوط کو مضامین،انشائیہ کے ضمن میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ یہ خطوط چونکہ انھوں نے دیار غیر سے لکھے ہیں۔اس لیے جگہ جگہ ان میں سفر نامے کا انداز بھی ہے ۔

زندگی وقت کے دھارے پر سفر کرتے ہوئے ایک مقام سے دوسرے مقام تک بے شمار تبدیلیوں کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی تاروں کے ہجوم میں تو کبھی تپتی دوپہروں میں ریت پر، کبھی دریاؤں تو کبھی کانٹوں کے حصار میں،یہی تبدیلیاں دراصل مزاج کو بنانے اور موسم کے ذائقوں سے آشنا کرنے کے لیے ہیں۔

زندگی ایک سفر ہے اور انسان ایک مسافر، اس طرح ہر شخص کی روداد زندگی خود بخود ایک منفرد سفر نامے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔سفر نامے کے معنی روزنامچہ یاڈائری اور بیاض کے ہیں جس میں بالعموم سفر کے مشاہدات وحالات،تاریخ وار درج کیے جاتے ہیں۔ سفر عربی

میں مسافت طے کرنے کو کہتے ہیں۔ سفر نامہ لکھنے کا مقصد قارئین کو اپنے سفر کے تجربات اور مشاہدات سے آگاہ کرنا ہے۔ سفر نامے کو انگریزی میں "Travelogue"اور"Writing Travel" کہا جاتا ہے۔ڈاکٹر اشرف کمال کہتے ہیں:

"سفر نامہ ادب کی ایک صنف ہے جس میں تخیلاتی کرشمہ سازیوں سے زیادہ حقیقی لمحات اور مشاہدات کا عمل دخل ہوتا ہے۔"(۱)

ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

"سفر نامہ سفر کے تاثرات، حالت اور کوائف پر مشتمل ہوتا۔"(۲)

دور دراز کے فاصلے سے جب ایک انسان دوسرے انسان سے خط کے ذریعے مخاطب ہوتا ہے تو اس کے جذبات واحساسات کھل کر سامنے آتے ہیں۔اس لیے خطوط میں سفر نامہ نگار اپنے کسی دوست یا کسی شخص کو خط کے ذریعے دوران سفر کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ تحریر کرتا ہے۔ایسے خطوط سے نہ صرف سفر نامہ نگار کی شخصیت بلکہ مقام سیاحت کی سچائی بھی ہمارے سامنے زمان ومکان کی حقیقتوں کے ساتھ آجاتی ہے۔ان خطوط میں صیغہ واحد متکلم کا استعمال کیا جاتا ہے۔ان میں سر گوشی کی کیفیت حاوی ہوتی ہے۔ڈاکٹر امجد حسین کی مکتوب نگاری میں سفر نامہ نگاری کے بنیادی لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ سفر نامے میں تاریخی وجغرافیائی حالات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مرزا حامد بیگ کہتے ہیں:

"سفر ناموں میں جغرافیائی حالات کے بیان کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے تاکہ اپنے ہم وطنوں کو اور ان دشوار گزر راستے سے گزرنے والے سیاحوں اور مسافروں کو موسم وحالات کا پتہ چل جائے۔ ابتدائی دور میں ایسے سفر نامے جن میں تاریخی وجغرافیائی حالات کی تفصیل بیان کی گئی تھی زیادہ مقبول ہوئے اور عوام نے ان کی بڑی قدر کی۔"(۳)

لہٰذا ڈاکٹر امجد حسین کے خطوط تاریخی واقعات اور جغرافیائی حالات سے قارئین کو نہ صرف متعارف کرواتے ہیں بلکہ معلومات کا بیش قیمتی ذخیرہ بھی فراہم کرتے ہیں۔ڈاکٹر امجد حسین اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"دیو سائی کا میدان کوئی 2100 کلومیٹر پر پھیلا ہوا ایک High Attitude Plature ہے۔ جہاں سبزے، جنگلی پھولوں اور پہاڑی ندیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ درخت بھی نہیں ہیں کیونکہ اس علاقے میں 9،10 ہزار فٹ کی بلندی کے اوپر درخت نہیں اُگتے۔"(۴)

ڈاکٹر امجد حسین کے خطوط دورانِ سفر کے مشاہدات کا دلچسپ مرقع ہیں۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، دل نے جو محسوس کیا اور ذہن نے جو خیالات قائم کیے ان کو بات چیت کے انداز میں خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کر دیا یہ خطوط دراصل مختلف شہروں کی تاریخی داستانوں کی اہم دستاویزات ہیں۔ مثال دیکھیے

"1805ء میں چترال کے فہد کی وفات کے بعد ریاست نے چترال پر حملہ کر دیا تھا۔انگریز ریزیڈنٹ اور نوعمر بادشاہ جسے انگریزوں نے فہد کی وفات کے بعد مہتر بنا دیا تھا، چترال کے قلعے میں محصور ہو گئے۔

اب انگریزوں کے لیے مشکل یہ بھی تھی کہ ان کے لیے کمک یا تو پشاور سے آسکتی تھی اور اگر آتی تو راستے میں انہی علاقوں سے گزر کر چترال پہنچتی جن کے امراوں نے چترال پر حملہ کیا تھا اور دوسری صورت یہ تھی کہ گلگت سے کمک براستہ شنڈوٹاپ لائی جاتی جو چترال سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک فوج پشاور سے چلی اور دوسری گلگت سے۔ گلگت سے آنے والی فوج کا سربراہ کپتان کیلی Kelly تھا۔ مارچ اپریل کے مہینے اس راستے پر یہ سفر طے کیا۔ شنڈوٹاپ پر برف میں ڈوب جاتے تھے۔ ان کے ہم راہ خچروں پر لدی ہوتیں توپیں بھی تھیں۔ اس کا ہر سپاہی اپنا سامان اور اسلحہ بھی اٹھائے ہوئے تھا۔ اپریل کے آخر میں یہ کمک شنڈو سے اتر کر چترال کی وادی میں داخل ہوئی۔ مستوج کے پاس مقامی لوگوں سے مقابلہ کرتی بالآخر یہ کمک چترال پہنچی اور چترال کا محاصرہ اٹھانے میں کامیاب ہوئی۔ اس واقع کو محاصرہ چترال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور تاریخ کی کتابوں میں اسے غیر عملی چھوٹے معرکہ Minor EPIC کا نام دیا گیا۔"(۵)

ڈاکٹر امجد حسین نے تمام مقامات کا تاریخ کے تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ ان کے خطوط (مٹی کا قرض) کا یہ امتیاز ہے کہ ایک ہی وقت میں بہت سے شہروں کی تاریخ و تہذیب، ثقافت، معیشت اور علمی و ادبی صورتحال سے متعارف کراتے ہیں۔ نیز وہاں کے جغرافیائی حدود، تہذیب و ثقافت، تاریخی مقامات، لوگون کی بود و باش، طرز، معاشرت، مذہبی اعتقادات، معمولات روز مرہ، رسم و رواج، مزاج و کردار، انداز و گفتار اور لباس غرض کے تمام تر پہلوؤں کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ مثلاً:

"ماؤنٹ کائی لاس ۲۲ ہزور فٹ بلند ہے۔ جو سال کے بارہ مہینے برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ بدھ مت اور ہندو مذہب کے مانند والوں کے لیے یہ پہاڑ بہت مقدس ہے۔ لوگ دور دور سے اس کے طواف کے لیے آتے ہیں۔ طواف بھی کیا طواف یہ نہیں کہ چھوٹی سی پہاڑی کے گرد گھوم لیے۔ بلکہ یہ طواف دشوار گزار دروں اور ناہموار پگڈنڈیوں پر چل کر کیا جاتا ہے۔ ایک درہ اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) فٹ بلند ہے۔ طواف کا فاصلہ ۳۲ میل ہے اور اکثر زائرین یہ ۳ - ۴ دن میں پورا کرتے ہیں۔ جو لوگ اس بلندی کے عادی ہے وہ یہ طواف ۱۶ سے ۱۸ گھنٹے میں کر لیتے ہیں۔ میں نے ایک بدھ بھکشو کو دیکھا کہ وہ یہ طواف پیٹ کے بل چل کر کر رہا تھا اور دو قدم چل کر اُس مقام تک پہنچتا تھا جس جگہ اس کے ہاتھ پہنچتے تھے۔ اس طرح وہ لیٹ کر دو قدم چل کر یہ طواف کر رہا تھا۔ یہ عقیدت کی حد ہے۔"(۶)

منظر نگاری سفر نامے کی جان ہے۔ کامیاب منظر نگاری کے لیے یہ ضروری ہے کہ سفر نامہ نگار جزئیات نگاری اور مرقع نگاری کے فن میں ماہر ہو۔ ڈاکٹر امجد حسین کے خطوط میں قدرت کے حسین و جمیل نظارے، برف زاروں، وادیوں، جھیلوں، چشموں اور بلندیوں کی بہت سی خوبصورت تصاویر دکھائی دیتی ہیں۔ اور پاکستان کے شمالی علاقوں کے خوبصورت ترین مقامات و مناظر سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے:

"ہمارا کیمپ ایک پہاڑی ندی کے اوپر واقع ہے۔ جہاں خیمے میں لیٹے ندی کے چلنے کی مدہم آواز (اسے میں شور نہیں کہہ سکتا) آتی رہتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ پسِ منظر میں یہ Back Ground Music کی سی کیفیت مہیا کرتی ہے۔"(۷)

ڈاکٹر امجد ایک داستان گو کی طرح اپنے اسفار کے حالات مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ قدرتی مناظر کی خوبصورت منظر کشی انہی کا خاصہ ہے۔ وہ بیان کرتے وقت ایسا مرقع کھینچتے ہیں کہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ منظر کشی میں وہ جزئیات سے کام لیتے ہیں۔ صبح کا منظر ہو یا شام کا، بارش برسنے کا منظر ہو یا ژالہ باری کا، موسیقی بجنے کی آواز ہو، یا پرندوں کے چہچہانے کی ہر جگہ ان کا قلم جولانیاں دکھاتا ہے۔ ان کا اسلوب نگارش لطیف اور شگفتہ ہے اور حسین منظر قاری کی نگاہوں کے سامنے اپنے تمام جلوے بکھیر دیتا ہے۔ ڈاکٹر امجد حسین کی منظر نگاری کا خوبصورت نمونہ ملاحظہ کریں:

"جب ان کے بے ہنگم گانوں کے درمیان وقفہ آتا ہے تو نیچے سے ندی کے بہاؤ کی آواز آتی ہے اور میں ایک چھوٹے سے آلاؤ کے پاس بیٹھا چودھویں کے چاند کی بکھری ہوئی چاندنی میں پہاڑوں، لالہ زاروں اور ندی کے چمکتے پانی کا نظارہ کر لیتا ہوں۔"(۸)

ڈاکٹر سید امجد حسین کی جزئیات نگاری میں تاریخ کو تلاش کرنے کی آرزوں اور حال کو ماضی کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کا رجحان ملتا ہے۔ ان کے سیاحت کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ہر قسم کے نظریاتی وابستگی سے دور رہ کر غیر جانبدارانہ سیاحت کی ہے اور مختلف جگہوں اور ممالک کی تازہ ہواؤں کو ان کے مخصوص فضا میں محسوس کیا۔ ان میں ایک فطری سیاح کے تمام جوہر موجود ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ یہ سفر حضر نہیں۔ اس لیے اس میں گھر کے آرام و آسائش کو تلاش کرنا سفر کے لطافتوں سے واقفیت کا نتیجہ ہے۔ وہ ہر دشواری کو مزے لے کر بیان کرتے ہیں۔ منظر نگاری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو:

"سکردو شہر ایک کشادہ وادی میں واقع ہے بلکہ یوں کہوں تو بے جانہ ہوگا کہ وادی کے گرد اونچے پہاڑ ایک حصار کی صورت میں دکھتے ہیں۔ وادی کی کشادگی کی وجہ سے دریا یہاں پھیل گیا ہے اور اس میں وہ تیزی نہیں جو سکردو کی Gorge میں ہم دیکھ آئے تھے۔ یہاں دریائے سندھ کا بہاؤ ایسا ہے۔ جیسے نچے نشیبی علاقوں میں نظر آتا ہے۔ دریا کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پتھریلی پہاڑی لوگوں کو خیر مقدم کرتی ہے۔ ہر چند کہ یہ پہاڑی خشک بے آب و گیاہ اور بدصورت ہے لیکن سکردو تک کا سفر کرنے کے بعد جب مسافر اس وادی میں داخل ہوتا ہے۔ تو وادی کشادگی، ہریالی، دریا کی سبک رفتاری کے پس منظر میں یہ جہاز نما پہاڑی بھی خوبصورت لگتی ہے۔ سکردو کے محل وقوع کی وجہ سے اسے پیالے میں ایک موتی کہا گیا ہے۔ پہاڑوں سے بنے ہوئے ایک بڑے اور کشادہ پیالے کے درمیان ایک چھوٹا سا موتی۔"(۹)

موقع محل کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو سفر نامے میں زبان و اسلوب کے اظہار کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً کہیں سادہ سلیس اور شگفتہ نثر تو کہیں رمز وایمائیت والی زبان اور کہیں طنز و مزاح پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ ملاحظہ کریں۔

"ڈرائیور نے بہت قسمیں کھائی، قرآن اور خدا کو بیچ میں لایا کہ گاڑی ٹھیک ہے لیکن ہم نے اس کے خدا اور قرآن پر اعتبار نہ کیا اور دوسری جیپ کرائے پر لے لی جب یہ سودا ہو چکا تو پہلے ڈرائیور جو عمر میں ۱۴-۱۵ سال سے زیادہ نہیں لگتا تھا۔ اقرار کر لیا کہ ہاں بریکس خراب ہیں۔"(۱۰)

ایک چیک پوسٹ پر ہونے والا مکالمہ ملاحظہ کریں۔ ایک چیک پوسٹ پر ہمارے اور چیک پوسٹ کے حکمران کے مابین:

وہ: یہ انگریز لوگ کدھر جا رہے ہیں۔

میں: یہ انگریز نہیں میرے بیٹے ہیں۔

وہ: لگتے تو انگریز ہے ان کی پیدائش کہاں کی ہے۔

میں: پیدائش امریکہ کی ہے۔

وہ: لو پھر ہوئے نا انگریز۔

میں: والد کی قومیت کے حوالے سے یہ پاکستانی ہے۔

وہ: اُردو وغیرہ بول سکتے ہیں۔

میں: نہیں ان کی اُردو ذرا کمزور ہے۔ ہاں انگریزی فروانی سے بول سکتے ہیں۔

وہ: ان کی ماں کہاں ہے۔

میں: وہ اس وقت یا تو امریکہ میں ہو گی یا پاکستان میں۔

وہ: تو آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کی بیوی کہاں رہتی ہے۔

میں: معلوم تو ہے لیکن اس نے بھی پاکستان آنا تھا ہو سکتا ہے اب تک وہ پاکستان آچکی ہو۔

وہ: تو آپ کہہ رہے ہیں یہ آپ کے بیٹے ہیں (یہاں مشکوک ولدیت کا زاویہ آ ہی گیا) اب میں یہی کر سکتا تھا کہ اس گفتگو کے خاتمے کے لیے بیٹوں کو واپس سکردو بھیج دوں اور یہی کیا گیا۔ مستقبل میں اپنے ساتھ Genetic Testing کی رپورٹ لے کر آؤں۔ جس سے ثابت ہو کہ زبان نہ بولنے، ظاہر طور پر نظر نہ آنے کے باوجود میرے نطفے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا بھی دریائے سندھ پر اتنا ہی حق ہے۔ جتنا ان کے باپ کا ہے۔"(۱۱)

ڈاکٹر سید امجد حسین جہاں بھی گئے۔ ہم وطنوں کو شریک سفر کرنے کے خیال سے ڈائری بھی مرتب کرتے رہے۔ انھوں نے ہر اہم چیز پر اپنا تاثر رقم کرنے اور ردِ عمل ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ خواب کے واقعات کو بھی مفصل بیان کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ سیاحت سفر نامہ نگار کے مربوط و مسلسل تاثرات کا مفصل بیانیہ ہے۔

> "ہمارا خیمہ ایک ننھا منھا سا گنبد نما خیمہ ہے۔ جس میں دو آدمیوں کے سونے کی گنجائش ہے۔ سلیپنگ بیگ میں ملفوف، میں نے جو خیمے کی گنبد کی طرف دیکھا تو مجھے گولائی پر قرآنی آیات لکھی نظر آئی۔ اسی طرح جس طرح مہابت خان مسجد کے گنبد کے اندر آیات لکھی ہوئی ہے۔ آنکھیں موند کر دوبارہ کھولیں تو وہی سماں اب سلیپنگ بیگ نے بھی کفن کی کیفیت پیدا کر دی۔ چست لیٹا ہوا تھا۔ پاؤں کی انگلیاں تو ہلا سکتا تھا لیکن اس لفافے میں باقی حرکت ممکن نہ تھی۔ لمبے لمبے سانس لیے دماغ کو مزید آکسیجن پہنچائی تو تھوڑی دیر بعد وہ آیات وہاں سے غائب ہو گئی۔ میں نے ایک ہاتھ نکالا اور بیٹری جلائی اور گنبد کو اچھی طرح دیکھا۔ واقعی وہاں آیتوں کا کوئی نشان نہیں تھا۔ باقی setting تو موجود تھی اگر دو منکر و نکیر بھی نظر آ جائے تو اس ڈرامے کے کردار مکمل ہو جائے۔"(۱۲)

ڈاکٹر امجد حسین نے خطوط کی تکنیک میں جو سفر نامے لکھے ہیں۔ اس میں کچھ خامیاں بھی ہے۔ مثلاً خط کے مضامین روزانہ تحریر نہیں کیے جاتے اور خطوط کے طوالت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس میں تازگی اور صداقت کے عناصر کی کمی ہوتی ہے۔ واقعات کا تسلسل نہیں پایا جاتا اور بے ربطی بھی دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر خالد محمود اس حوالے سے کہتے ہیں:

> "خطوط کی تکنیک سے مرتب کیے جانے والے سفر نامے عام طور پر واقعات کے منطقی ربط و تسلسل سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔"(۱۳)

ڈاکٹر امجد حسین کے خطوط میں بھی یہ ربطی اور غیر تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ مجموعی حوالے سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر امجد حسین نے اپنے خطوط میں ہر اس مقام کا واضح نقشہ کھینچا ہے۔ جہاں سے ان کا گزر ہوا۔ جن شاہراہوں پر ان کی نظر پڑی جن اونچے نیچے راستوں اور پہاڑوں کے دامن کا انھوں نے سفر طے کیا۔ ہر واقعہ، ہر منظر، ہر پل کے تجربات اور محسوسات غرض کے تمام نکات اور مقامات کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے، انھوں نے دوران سفر ایک پل کو بھی قارئین سے دور نہیں رکھا۔ ہمہ وقت انھیں اپنا شریک سفر بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ جیسے جیسے ہم ان خطوط کا مطالعہ کرتے جاتے ہیں۔ ان تمام مقامات کی تہذیب و معاشرت اور تاریخ بھی ہمارے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر امجد حسین کے حافظے اور مطالعے کی حدیں بہت وسیع ہیں۔ وہ اپنے خطوط میں ایسے سیّاح نظر آتے ہیں جس کے قلب پر قوم کی پوری تاریخ مرتسم ہے۔ وہ قدم قدم پر تاریخ کو یاد کرتے ہیں۔ جدید و قدیم کا موازنہ کرتے ہیں، تجزیہ کرتے ہیں اور پھر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سفر نامے میں حال سے زیادہ ماضی کی داستان بیان کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ سفر نامہ بیانیہ سے زیادہ تخلیقی ادب کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔آغا محمد باقر۔تاریخ نظم ونثر اُردو۔لاہور: تاجر بک، ۱۹۴۲ ۔ص ۴۱۹

۲۔ڈاکٹر انور سدید۔اُردو ادب میں سفر نامہ۔لاہور: اُردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء ۔ص ۵۲

۳۔مرزا حامد بیگ۔اُردو سفر نامے کا مختصر تاریخ۔اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء ۔ص ۱۱۵

۴۔ڈاکٹر سید امجد حسین، غیر مطبوعہ خطوط بنام ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، مخزونہ سردار جھنڈیر ریسرچ لائبریری میلسی ملتان۔خط نمبر ۵

۵۔ایضاً

۶۔ایضاً

۷۔ایضاً

۸۔ایضاً

۹۔ایضاً۔خط نمبر ۲۰

۱۰۔ایضاً

۱۱۔ایضاً

۱۲۔ایضاً۔خط نمبر ۲۴

۱۳۔ایضاً

۱۴۔خالد محمود خان۔اُردو سفر نامے کا تنقیدی مطالعہ۔نیو دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء۔ص ۲۵۱